خطبہ جمعہ

رحیمیت کو جو انسان کی دعا کو چاہتی ہے خاص انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسا فیض ہے جو دعا سے حاصل ہوتا ہے

سورۃ البقرہ کی ان آیات کے حوالہ سے جن میں اللہ تعالیٰ کے رحیم ہونے کا ذکر آتا ہے رحیمیت کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۲۷/اپریل ۲۰۰۱ء بمطابق ۲۷/شہادت ۱۳۸۰ھ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

صفات باری تعالیٰ کا مضمون چل رہا ہے اور آج مَیں نے نسبتاً چھوٹے خطبہ کے لئے مواد اکٹھا کیا ہے اور صرف سورۃ البقرہ کی وہ آیات اخذ کی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے رَحِیْم ہونے کا ذکر آتا ہے اور ان آیات پر غور کرنے سے رحیمیت کے مختلف معانی انسان پر کھلتے چلے جاتے ہیں۔ پہلی آیت سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۴ ہے۔ فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾۔ ہم نے تمہیں وسط امت بنایا ہے۔ وسط امت سے مراد ایسی امت ہے جس کا نہ دائیں رجحان ہو نہ بائیں رجحان ہو۔ صراط مستقیم پر قائم ہو اور وَسَطاً عربی محاورہ میں بہترین کو بھی کہا جاتا ہے اور بہترین وہی ہوتا ہے جس کا نہ دائیں رجحان ہو اور نہ بائیں رجحان ہو۔ وہ سیدھا صراط مستقیم پر چلنے والا ہو۔ یہ صفات اگر تم میں ہوں تو﴿ شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ تو تم لوگوں پر نگران بن سکو گے۔ اگر یہ صفات نہیں ہیں تو تم لوگوں پر نگران نہیں بن سکو گے۔﴿ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ اور رسول تم پر نگران ہوگا۔

اب رسول تم پر نگران ہوگا ان معنوں میں کہ آپ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تمام کائنات میں نگران کے طور پر چنے گئے۔ نبیوں کے بھی آپؐ نگران تھے۔ مگر امّت وسطٰی کے نگران ہونے کی صورت میں اس طرف اشارہ ہے کہ خبردار رسول کی تنبیہات سے اِدھر اُدھر قدم نہ رکھنا ورنہ تم دوسروں کی نگرانی سے محروم ہو جاؤ گے۔

پھر فرمایا:﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ اور ہم نے اس قبلہ کو تبدیل نہیں کیا۔ اس قبلہ کو نہیں بنایا تھا جس پر تو تھا مگر تا کہ جان لیں کہ رسول کی متابعت کون کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے۔﴿ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ﴾ اور اگرچہ یہ بات بہت بوجھل تھی مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی۔﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے ایمانوں کو ضائع فرمادے۔ یقیناً اللہ انسانوں سے رؤف بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ اس میں تمام انسانوں کے لئے رؤف اور رحیم کا ذکر آیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو بھی تمام بنی نوع انسان کے لئے رؤف قرار دیا گیا ہے بالخصوص مومنوں کے لئے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن چونکہ خدا کی راہ میں محنت کرتے ہیں اور جدوجہد کرتے ہیں اور رحیمیت کا تقاضا ہے کہ جو محنت اور جدوجہد کرے اس کو اس کی محنت کا پورا پورا پھل عطا کیا جائے۔ پس اس پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم خصوصیت کے ساتھ مومنوں کے لئے رؤف اور رحیم بنائے گئے جبکہ رحمانیت کی صفت کے تابع آپ تمام دنیا کے لئے رحمٰن مقرر کئے گئے۔

ایک دوسری آیت سورۃ البقرہ سے ہی لی گئی ہے۔﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ . وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا . اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ ۔(سورۃ البقرہ :۱۲۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ہے کہ ہم دونوں کو﴿مُسْلِمَةً لَّكَ﴾ اپنے لئے تسلیم و رضا کا سر خم کرنے والا بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت ہو جو﴿مُسْلِمَةً لَّكَ﴾ جو تیرے ہی حضور میں پوری طرح اسلام کو قبول کرنے والی یعنی تیرے حضور اپنا سر خم کرنے والی ہو۔﴿وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا﴾ اور ہمیں ہماری قربان گاہیں دکھا۔

اب یہ بہت بڑی اور مشکل دعا ہے کہ ہمیں اپنی قربان گاہیں دکھا۔ یعنی جن راہوں پر چل کر تجھے قربانی منظور ہوتی ہے، وہ ساری راہیں ہمیں دکھا۔ ہم ان پر چل کر تیری راہ میں قربانیاں پیش کریں۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ کہ اس میں ہو سکتا ہے ہم سے غلطیاں بھی سرزد ہوں اور غلطیاں سرزد ہوں تو تُو سب سے زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے یعنی بار بار رحم کرنے والا ہے۔

پھر ایک اور آیت البقرہ کی آیت ۵۵ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ. ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ﴾۔ اے میری قوم تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا﴿ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ﴾ بچھڑے کو پکڑ کر یعنی بچھڑے کو اپنا معبود بنا کر۔﴿ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ﴾ پس اپنے رب کے حضور توبہ اختیار کرو۔﴿فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ اور اپنے نفسوں کو قتل کرو۔

بعض پرانے مفسرین اس کا یہ جو مفہوم لیتے ہیں کہ یہ حکم تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کردو۔ یہ بالکل ایک لغو بات ہے اور قرآن کریم کی طرف ہرگز منسوب نہیں ہو سکتی۔ اُقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے مراد نفس کا قتل ہے یعنی اپنے اندر انسان جو برے خیالات اور بدرو کو پاتا ہے اس کا قتل کرو۔ تو چونکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا بچھڑے کو معبود بنا کر تو اس کا قطعی جواب یہی ہونا چاہئے تھا کہ تمہاری جانوں میں جو بچھڑے پڑے ہوئے ہیں، جو جھوٹے معبود ہیں ان کو مارو یعنی اپنے نفس کو قتل کرو۔﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ﴾ یہ تمہارے لئے تمہارے پیدا کرنے والے کے حضور بہتر ہے۔﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ. فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾۔ پس اس نے تمہاری توبہ کو قبول فرمالیا۔﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ یقیناً وہ بہت اور بار بار توبہ قبول کرنے والا ہے اور رحیم ہے یعنی بار بار غلطی کرتے ہو اور بار بار وہ تم سے رحمت کا سلوک فرماتا ہے۔

ایک آیت حضرت آدمؑ کے بارہ میں ہے﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾۔﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾۔ آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے ﴿فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ پس وہ رب آدم پر مہربان ہو گیا، اس کی توبہ قبول کرلی۔﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ یقیناً وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ (البقرہ :۳۸) حضرت آدمؑ کو خدا تعالیٰ نے خود ہی توبہ کے الفاظ بتائے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو اپنی توبہ کے لئے بھی خود الفاظ نہیں مل سکتے جب تک اللہ تعالیٰ اس کی طرف راہنمائی نہ فرمائے۔ پس اگر کوئی سچے معنوں میں توبہ کرنے والا ہو اور اپنے گناہوں سے بخشش چاہتا ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرنی چاہئے کہ اے میرے خدا مجھے وہ الفاظ سکھا دے جن کے ذریعہ میں تیرے حضور توبہ کا حقدار بن جاؤں۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ یعنی

ہر دفعہ جب انسان سچے دل سے خدا کے حضور جھکتا ہے تو وہ رحمت کے ساتھ اس کو قبول فرمالیتا ہے۔

ایک سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۷۴ ہے۔ ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ . فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾۔ ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے تو صرف تم پر مردار حرام کئے ہیں اور خون اور سور کا گوشت ﴿وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ اور جو اللہ کے سوا کسی اور کی خاطر یعنی جھوٹے معبودوں کی خاطر ذبح کیا جائے۔ ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ﴾ لیکن اگر کوئی بھوک سے سخت مجبور ہو جائے اور اس کا دل نہ چاہتا ہو کہ وہ حرام کی طرف جھکے ﴿وَّلَا عَادٍ﴾ اور اس میں پھر کھانے میں زیادتی بھی کرلے صرف جان بچانے کے لئے کچھ اس کو کھانا ہو تو اتنا ہی کھائے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا پائے گا۔ یعنی وہ باتیں جو اس پر کھانے کے لئے حرام بھی قرار دی گئی تھیں اگر وہ صرف جان بچانے کے لئے کچھ اس میں سے کھالے مگر صرف اتنا کھائے جتنا اس کو جان بچانے کے لئے ضرورت ہو تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ اس کو بہت بخشے گا اور اس پر پھر بار بار رحم فرمائے گا۔ تو یہ رحیمیت کے مختلف معانی قرآن کریم کی مختلف آیات سے ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

ایک آیت چھوٹی سی ہے ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ . لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾۔ (البقرہ: ۱۶۴) اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہی رحمان (اور) رحیم۔ اب رحمانیت کے تابع تو اللہ تعالیٰ نے بن مانگے سب کچھ دیا۔ ساری کائنات بنائی۔ انسان کا کوئی وجود بھی نہیں تھا اور اس کے بعد وہ اس کو بھول نہیں گیا یعنی اس کے رحم نے تکرار کی ہے اور بار بار اس نے رحمت فرمائی ہے۔ اور یہ سلسلہ جاری وساری ہے جیسے کل وہ رحمت اس وقت فرما چکا تھا جبکہ کوئی مانگنے والے کا وجود نہیں تھا۔ اب بھی بار بار حسب ضرورت وہ رحمت کا اجراء کرتا چلا جاتا ہے۔

دو اور آیات ہیں البقرہ ۱۶۰، ۱۶۱۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ. اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾۔ یقیناً وہ لوگ جو چھپاتے ہیں ﴿ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ ان چیزوں کو جو ہم نے کھلی کھلی آیات کی صورت میں روشن دلائل کی صورت میں ظاہر فرمائی ہیں ﴿ وَالْهُدٰى﴾ اور ہدایت کو ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ﴾ بعد اس کے کہ ہم نے ان دونوں چیزوں کو خوب کھول کھول کر بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے کتاب میں ظاہر فرمادیا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں ﴿ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو گی اور اللہ کے ان پر لعنت فرمانے کے علاوہ لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے چلے جائیں گے۔ پس یہاں اولین طور پر یہود مراد ہیں جو مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ہیں۔ ان پر انسان کی طرف سے بھی بار بار لعنت ہوتی ہے اور اللہ کی لعنت کا تو مستقل قیامت تک کے لئے شکار ہو چکے ہیں۔ ہاں مگر انصاف کا تقاضا ہے کہ ان میں سے بھی جو توبہ کرلیں ان کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ یعنی قیامت تک سے یہ مراد نہیں ہے کہ سب کو یکساں ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جائے گا۔ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا ﴾ ہاں وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی ﴿وَبَيَّنُوْا﴾ اور خوب کھول لیا معاملہ کو۔ پہلے بَیّنات اور ھُدیٰ سے ہٹنے والے لوگ تھے۔ اب انہوں نے خوب کھول کھول کر ہدایت کی بات کو غلطی کی بات سے الگ کرلیا۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ﴾ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی توبہ کے ساتھ میں رجوع کرتا ہوں، جن کی توبہ کو میں قبول فرماتا ہوں۔ ﴿وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہوں۔ پس یہود جن پر خدا کی اور بنی نوع انسان کی لعنت ڈالی گئی تھی قرآن کریم کے انصاف کا حال دیکھیں کہ کس طرح ان میں سے بھی مستثنیٰ کردیا ہے ان لوگوں کو جو کسی وقت بھی توبہ کرلیتے ہیں اور پھر وہ اللہ کو ایسا پائیں گے کہ ان پر وہ بار بار رحم فرماتا ہے۔

یہ چند آیات سورۃ البقرہ سے لی گئی تھیں اور اب مَیں احادیث لیتا ہوں جو اسی مضمون کو مختلف صورتوں میں وضاحت کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ ایک روایت بخاری کتاب البیوع کی حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے قیامت کے روز مَیں سخت بازپُرس کروں گا۔ ایک وہ جس نے میرے نام پر کسی کو پناہ دی، پھر غداری یا دھوکہ بازی کی“۔ اللہ کے نام پر پناہ کے بعد پھر دھوکہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ وہ اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے یہ سمجھ کر کہ اس شخص نے امان دے دی ہے تو ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہو گا، قیامت کے دن اس کی سخت باز پرس ہو گی۔

”دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد کو پکڑ کر بیچ دیا اور اس کی قیمت لے کر کھا گیا“۔ اب دیکھئے مسلمانوں پر تو بہت اعتراض کیا جاتا ہے مستشرقین کی طرف سے کہ انہوں نے غلامی کو جاری کیا حالانکہ قرآن کریم نے جس طرح غلامی کو ختم کیا ہے اور بار بار آزاد کرنے کا حکم دیا ہے اس کی کوئی مثال کسی الٰہی کتاب میں اس سے پہلے نظر نہیں آتی۔ اس کثرت سے غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم ہے کہ ایک موقع پر ایک صحابی نے ساٹھ ہزار غلاموں کو یعنی مسلمان غلام نہیں تھے بلکہ غیروں سے خرید کر ان کو آزاد کردیا تھا تو ان پر اعتراض ہے جبکہ خود یہ جتنے ویسٹ انڈیز اور امریکہ میں کالے آباد ہوئے ہیں یہ اکثر غانا سے پکڑ پکڑ کر قید کر کے ان کو زنجیروں میں باندھ کر وہاں بھجوایا جاتا تھا۔ اور اسی طرح بعض دوسرے افریقن ممالک سے بھی ان کو پکڑ کر باہر اپنی نو آبادیات میں بھجوادیا جاتا تھا اور ان سے ظالمانہ اور مفت کام لیا جاتا تھا اور جن جہازوں میں وہ جاتے تھے وہاں اس طرح قید ہوتے تھے کہ بلیک ہول بھی اس کے سامنے کوئی چیز نہیں۔ نہایت ہی ظالمانہ طریق پر ان کو چھوٹے چھوٹے کمروں میں ٹھونس دیا جاتا تھا۔ تو "Physician Heal Thyself" والی بات ہے تو یہ بنی نوع انسان کو غلامی سے نجات دلانے والے لوگ اپنے گریبان میں بھی منہ ڈال کر دیکھیں کہ انہوں نے کتنے کتنے ظلم کئے ہوئے ہیں اور ایک پوری دنیا ہے امریکہ کی، نارتھ امریکہ اور ساؤتھ امریکہ کی جس میں کالوں کو اپنا مظلوم غلام بنا کر رکھا گیا اور اب جو آزادی کی لہر چلی ہے اس میں بھی ان کے ساتھ لازماً بے رحمی کا دوسرا سلوک ہوتا ہے۔ یعنی ان کو ہر اعلیٰ تعلیم میں اوپر آنے سے کئی بہانوں سے روک دیا جاتا ہے اور سیاست میں غلبہ سے روک دیا جاتا ہے حالانکہ وہ بڑی بھاری تعداد میں وہاں موجود ہیں۔ دکھاوے کے طور پر چند مورتیں صورتیں آپ کو دکھائی دے دیں گی مگر اکثر محض دھوکہ ہے اس لئے وہاں بڑا شدید ردّ عمل پایا جاتا ہے۔ تو اسلام پر ظلم اور غلامی کا دعویٰ کرتے ہیں یا اتہام لگاتے ہیں اور اپنا حال یہ ہے کہ آزادی نصیب نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار کالوں کی طرف سے Movements چلتی ہیں بغاوت کی اور جتنی Movements چلتی ہیں اس سے ان کو الٹا نقصان بھی ہوتا ہے گویا ان کو بھی یہ ہوا دیتے ہیں کہ ایسی Move,ents چلائیں اور ہم سے ٹکرائیں اور ان کو پھر بہانہ رکھ کر ماریں۔

تو رسول اللہ ﷺ آخر پر فرماتے ہیں کہ وہ جس نے کسی آزاد کو پکڑ کر غلام بنالیا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آزاد کو پکڑ کر غلام بنانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ بلکہ جنگی قیدیوں کو غلام بنایا جاتا تھا اور اس لئے کہ وہاں اس زمانہ میں کوئی الگ فوجی قید خانے نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ان قیدیوں کو معاشرہ کو تباہ کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا اس مجبوری سے ان کے گھروں میں تقسیم کیا گیا تھا ورنہ آزاد کو غلام بنانے کی کوئی ایک سند بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے نہیں ملتی۔

پھر آخر پر فرمایا کہ ”(وہ بھی بڑا ظالم ہے) جس نے ایک مزدور سے پورا پورا کام لیا اور اس کو مزدوری بھرپور نہ دی“ (بخاری، کتاب البیوع)۔ اور رحیمیت کا اس سے خصوصیت سے تعلق ہے۔ جو لوگ مزدور سے کام تو لیتے ہیں اس کی بھرپور محنت کا فائدہ تو اٹھاتے ہیں لیکن اس کی مزدوری پوری نہیں دیتے یہ بھی بڑا ظلم کرنے والے لوگ ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو مزدوروں کو نہ صرف پوری مزدوری دیتے تھے بلکہ اس کے علاوہ کھانا وغیرہ بھی دیتے تھے اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھتے تھے کہ ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کی گئی کہ یہ جو نانبائی ہے یہ بڑا چور ہے اس کو سزا دلوائیں یہ روٹیاں چرا کر لے جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تم بڑے احمق آدمی اور ظالم ہو۔ یہ شخص ایک روٹی پکانے کے لئے دو دفعہ جہنم میں جاتا ہے۔ اب اس بیچارے کو اتنا بھی حق نہیں دیتے کہ یہ کچھ روٹیاں اپنے لئے لے جائے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی پیروی میں بے حد رحیم اور کریم تھے۔

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ. وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ یہ ترجمہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے مَیں آپ ہی کے الفاظ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ”یعنی جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطنوں سے یا نفس پرستیوں سے جدائی

اختیار کی"۔ اب میں بار بار جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ جب نکلے ہیں باہر تو محض دنیا کی نیت نہ ہو، دنیا تو ویسے مل ہی جائے گی مگر حقیقی طور پر اگر وہ خدا کی راہ میں نکلنے والے ہیں تو ایک ہی اس کی پہچان ہے وہ یہ ہے کہ نفس پرستیوں سے جدائی اختیار کر لیں۔ "اور خدا کی راہ میں کوشش کی وہ خدا کی رحیمیت کے امیدوار ہیں اور خدا غفور اور رحیم ہے یعنی اس کا فیضانِ رحیمیت ضرور ان لوگوں کے شامل حال ہو جاتا ہے کہ جو اس کے مستحق ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جس نے اس کو طلب کیا اور نہ پایا"۔ اس کے بعد ایک فارسی شعر ہے۔

"عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد　　　اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست"

(براہین احمدیہ چہار حصص روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲۔ حاشیہ نمبر ۱۱)

کہ اگر ایسا عاشق ہو کہ جس کا یار اس کے حال پر نظر نہ کرے تو سنو۔ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست۔ خواجہ تمہارے اندر درد ہی نہیں ہے اگر عشق کا سچا درد ہوتا تو طبیب تو موجود تھا۔

پھر ایک سورۃ البقرہ کی آیت ہے ﴿ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ . اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (البقرہ:۲۰۰)۔ پھر تم (بھی) وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ سے بخشش مانگو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

حج کے موقع پر جو بار بار رحم کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ اس غرض سے ہے کہ اس حج کے متعلق اگر وہ قبول ہو تو یہ آتا ہے کہ پہلے سارے گناہ بخش دئے گئے اور ایک نئی زندگی اس کو ملی گناہوں سے توبہ کی۔ پس رحیمیت ہے جو بار بار رحم کرتی ہے اور گناہ گاروں کی بخشش کے سامان کرتی ہے اور سب سے زیادہ حج کے موقع پر ان کو یہ خدا تعالیٰ کی رحمت نصیب ہوتی ہے کہ وہ اس کی غفوریت اور رحیمیت سے پورا پورا استفادہ کریں۔

ایک سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۲ اور ۱۹۳ دو آیات ہیں:۔ ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ . وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ. فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ . كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ . فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (البقرہ:۱۹۲۔۱۹۳)۔ اور (دوران قتال) اگر جاری ہو تو اس وقت ان کو تم بیشک قتل کرو کیونکہ انہوں نے ہی قتال میں پہل کی ہے۔ پھر ان کو جہاں بھی تم پاؤ قتال کے دوران ان کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہ رہنے دو اور وہاں سے نکال دو جہاں سے تمہیں انہوں نے نکالا تھا۔ تو ہر معاملہ میں پہل ان کی طرف سے ہوئی ہے اور جوابی حملہ کا حق خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو دیا۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہوتا ہے۔ ﴿اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ فتنہ سے مراد قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کو تکلیف دے کر مرتد کرنے کی کوشش ہے تو۔ تو قتل ہو جانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ انسان مرتد ہو جائے اور ان لوگوں کو جو ڈرا دھمکا کر مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان کو عذاب وہی ہوگا جو ایک مومن کو قتل کرنے کا عذاب ہے۔ چنانچہ فرمایا فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہے۔

اور ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو یہاں تک کہ وہ تم سے وہاں قتال کریں۔ پس ہر معاملہ میں پہل ان کی طرف سے ہے۔ اگر مسجد حرام میں بھی وہ قتال کریں تو پھر تمہارے لئے جائز ہوگا کہ مسجد میں ان کے ساتھ قتال کرو۔ پس اگر وہ تم سے قتال کریں تو پھر تم ان کو قتل کرو۔ کافروں کی ایسی ہی جزا ہوتی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ بہت مغفرت کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اب دیکھئے رحیمیت کا ایک اور عظیم الشان جلوہ اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اتنے ظلم جو مذہبی آزادی کے چھیننے والے، گھروں سے نکالنے والے اور ہر طرح سے زبردستی مرتد کرنے والے جو مظالم تھے ان کے باوجود اگر وہ باز آجائیں تو پھر مغفرت کا سلوک کرو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اگر تم ان پر بار بار رحم کرو گے۔ تو اللہ تعالیٰ تم پر بھی بار بار رحم فرمائے گا۔

اب مَیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات آپ کے سامنے پڑھ کر سناتا ہوں۔

فرمایا ہے: "رحیمیت کو جو انسان کی دعا کو چاہتی ہے خاص انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے"۔ اب رحیمیت کو خاص انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اب رحمانیت تو تمام جانداروں پر عام ہے بلکہ پیدائش سے پہلے بھی رحمانیت کا اثر ہے۔ رحیمیت جانوروں کے لئے نہیں بلکہ انسانوں کے لئے خاص ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے یہ ذکر گزر چکا ہے پچھلے خطبہ میں کہ جن جانوروں سے کام لو ان کے ساتھ حسن سلوک کرو یہ بھی رحیمیت کی ایک شاخ ہے۔ مگر اصلی رحیمیت جو ہے وہ انسان کے لئے ہے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نکتہ ہمیں سمجھایا ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسا فیض ہے جو دعا سے حاصل ہوتا ہے۔ اب یہ باریک فرق ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا اگر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں نہ سمجھاتے، رحیمیت کا دعا سے ایک تعلق ہے اور جانور پر تم اگر رحم کرتے ہو اس سے کام لے کر تو یہ تمہاری عطا تو ہے لیکن جانور کی دعا نہیں تھی۔ پس رحیمیت کا دعا سے بہت گہرا تعلق ہے۔ "یہ سنّت اللہ اور قانون الٰہی ہے جس میں تخلف جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے لئے ہمیشہ دعا مانگتے رہے"۔ اور انبیاء کی رحیمیت کا یہ تقاضا تھا کہ اپنی امت کے لئے دعا مانگتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے قیامت تک کے لئے اپنی امت کے لئے دعائیں مانگی ہیں۔ "حقیقت یہ ہے کہ دعا پر ضرور فیض نازل ہوتا ہے جو ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اسی کا نام فیض رحیمیت ہے جس سے انسان ترقی کرتا جاتا ہے۔ اسی فیض سے انسان ولایت کے مقامات تک پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایسا یقین لاتا ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ مسئلہ شفاعت بھی صفت رحیمیت کی بنا پر ہے"۔

اب جو لوگ آنحضرت ﷺ کی شفاعت کے دعویدار ہیں ان کو خوب سوچ لینا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی شفاعت بھی آپ کی رحیمیت کی بنا پر ہے۔ اگر ہم لوگوں کے لئے رحیم نہیں ہونگے تو حضرت رسول اللہ ﷺ بھی ہمارے لئے رحیم نہیں ہونگے اور ہم لازماً ایسی صورت میں شفاعت سے محروم رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم وہ سارے کام کریں جس سے محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ہمارے لئے مقرر ہو جائے یعنی خدا کے نزدیک ہم اس کے اہل ٹھہریں۔ اس کے بعد شفاعت کا یہ معنی بیان فرمایا گیا ہے جو رحیمیت سے تعلق رکھتا ہے کہ "رحیمیت نے ہی تقاضا کیا کہ اچھے آدمی بُرے آدمیوں کی شفاعت کریں۔" (ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴۔ صفحہ ۲۵۰)۔ اب برے آدمی کون ہیں جن کی تشریح میں نے ابھی پہلے بیان کر دی ہے کہ جو غلطی تو کرتے ہیں پھر توبہ بھی کرتے ہیں اور خدا کی طرف جھکتے بھی ہیں۔ جو برائی پر اصرار کر کے بیٹھ جائیں اور خدا کی طرف نہ جھکیں وہ رحیمیت کے حق دار نہیں ہوتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں:

"جب ہمارے آقا سید المرسلین و خاتم النبیین محمد ﷺ کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ کی پاک ذات نے ارادہ فرمایا کہ ان دونوں صفات کو ایک ہی شخصیت میں جمع کر دے چنانچہ اُس نے آنحضرتؐ کی ذات میں (آپ پر ہزاروں ہزار درود اور سلام ہو) یہ دونوں صفات جمع کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کے شروع میں صفت محبوبیّت اور صفت محبیّت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے"۔ صفت محبوبیت اور صفت محبیت کا ذکر کہاں کیا، کیسے کیا اس کی تشریح فرماتے ہیں 'تا اس سے خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کی طرف اشارہ ہو اور اُس نے ہمارے نبی ﷺ کا نام محمد اور احمد رکھا"۔ اب محمدؐ وہ ہے جو محبوب ہے سب سے زیادہ تعریف کیا گیا اور احمد وہ ہے جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اللہ کی طرف سے محبوبیت کے مظہر ہیں۔ خدا نے آپ پر ایسا فضل فرمایا اور ایسی آپ سے محبت کی کہ دنیا میں کبھی بھی کوئی شخص اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ نہ نبیوں میں سے نہ غیر نبیوں میں سے اور آپ نے پھر اپنے رب کی ایسی حمد بیان فرمائی کہ کبھی کسی نبی یا غیر نبی کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی حمد میں ایسے ترانے گائے۔ اور آپ نے یہ جو مضمون لیا ہے رحمٰن اور رحیم سے لیا ہے۔ فرمایا: "اس آیت میں اپنا نام الرحمان اور الرحیم رکھا"۔ رحمٰن تو وہ ہے جس نے خالصۃً اپنی رحمانیت کے نتیجہ میں، اس کا ایک معنیٰ ہے بے انتہاء رحم کرنے والا آنحضرت ﷺ کو اپنے رحم سے ایسا نوازا کہ اس جیسا رحم کبھی کسی پر نہیں کیا گیا اور پھر رحیمیت کے تابع حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں اشارہ اس بات کا ہے کہ " ہمارے آقا فخر دو عالم ﷺ کے علاوہ اَور کوئی جامع وجود نہیں" جس میں دونوں صفات باری تعالیٰ جمع کر دی گئی ہوں یعنی رحمانیت کے تابع آپ محمد بنائے گئے ہیں اور رحیمیت کے تابع احمد بنائے گئے ہوں۔ اب رحیمیت کا تقاضا ہے کہ جس نے رحمٰن بن کر بے انتہا فضل فرمائے ہیں اس کا بار بار ذکر کرتا چلا جائے اور رحیمیت میں یہ بار بار کا ذکر شامل معنی ہے۔ پس رحیمیت کا ایک معنی یہ بھی بنا کہ ہم اپنے رب کا بار بار ذکر کرتے چلے جائیں اور صرف ایک ذکر ہمارے لئے کافی نہ ہو بلکہ ہمیشہ زندگی بھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے چلے جائیں۔

"آپ کو پروردگار دو عالم کے فضل سے ان دونوں صفات کی طرح دو نام دیئے گئے ہیں جن میں سے پہلا محمد ہے اور دوسرا احمد۔ پس اسم محمد نے صفت الرحمان کی چادر پہنی اور جلال اور محبوبیت کے لباس میں جلوہ گر ہوا اور اپنی نیکی اور احسان کی بنا پر بار بار تعریف بھی کیا گیا۔ اور اس احمد نے خدا تعالیٰ کے فضل سے جو مومنوں کی مدد اور نصرت کا متولّی ہے رحیمیت، محبیّت اور جمال کے لباس میں تجلّی فرمائی۔ پس ہمارے نبی ﷺ کے دونوں نام (محمد اور احمد) ہمارے ربّ محسن کی دونوں صفتوں (الرَّحْمان، الرَّحِیم) کے مقابلہ میں منعکسہ صورتوں کی طرح ہیں جن کو دو مقابل کے آئینے ظاہر کرتے ہیں"۔ (اعجاز المسیح۔ روحانی خزائن جلد ۱۸۔ صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۳)

یعنی تمام تر رخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا اپنے رب کی طرف تھا اور آپ نے جس شان سے اپنے رب کی حمد کے ترانے گائے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح آپ کی حمد کو بھی بیان فرمایا۔ پھر بعض پہلوؤں سے احمد بن گئے اور جیسے شیشہ میں تصویریں لامتناہی ہو جاتی ہیں اسی طرح آپ کا یہ چہرہ خدا کے حضور ایک لامتناہی حسن اختیار کر گیا یعنی کبھی آپ نے محمد کے طور پر اپنے رب سے فیض پایا، کبھی احمد کے طور پر اپنے رب کے گیت گائے۔

ایک اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقتباس ہے:

"رحیمیت ایسی صفت ہے جو اُن انعامات خاصہ تک پہنچا دیتی ہے جن میں فرمانبردار لوگوں کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔ گو (اللہ تعالیٰ کا) عام انعام انسانوں سے لے کر سانپوں، اژدہاؤں تک کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے"۔ یہ رحمانیت کا انعام ہے لیکن رحیمیت کا جو انعام ہے وہ خصوصیت کے ساتھ انسانوں سے وابستہ ہے۔

ایک لمبی حدیث ہے اس کے عربی کے الفاظ پڑھ کر پھر ترجمہ کرنے میں زیادہ دیر ہو جائے گی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن نسلِ آدم کا سردار مَیں ہوں لیکن یہ کوئی فخر کی بات نہیں"۔ مطلب یہ ہے فخر کی بات ہے تو سہی مگر میں اس پر فخر نہیں کرتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ انعام خالصۃً اللہ کی طرف سے عطا ہوا ہے میری کسی خوبی کے نتیجہ میں نہیں۔ حالانکہ سب سے زیادہ خوبیاں آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھیں اور وہی خوبیاں منعکس ہوئیں پھر اور خدا تعالیٰ نے آپ سے ان خوبیوں کے بدلہ میں پھر احسان کا سلوک فرمایا۔ تو میں نسل آدم کا سردار ہوں لیکن یہ فخر کی بات میرے لئے نہیں، میں فخر کے طور پر تمہیں نہیں سنا رہا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسان کے طور پر سنا رہا ہوں۔

"حمد کا عَلم میرے ہاتھ میں ہوگا"۔ یعنی قیامت کے دن سچی حمد کرنے والا اگر کوئی تھا تو محمد رسول اللہ ہی ہونگے اور یہ جھنڈا آپؐ کو تھمایا جائے گا۔ "اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں"۔ یعنی فخر سے مراد فخر و مباہات ہے یعنی دل تو حمد سے لبریز ہے مگر بتانے کے لئے کہ میں جو تمہیں بتا رہا ہوں فخر کی خاطر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کے اظہار کی خاطر بتا رہا ہوں۔ "آدم اور اس کے علاوہ دوسرے تمام نبی بھی اُس دن میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور مَیں وہ پہلا انسان ہوں گا جس پر سے قبر کو پھاڑا جائے گا (یعنی سب سے پہلے مَیں اٹھایا جاؤں گا) اور اس پر بھی مجھے کوئی فخر نہیں"۔ اب بعض لوگوں نے ایک حدیث کو پکڑا ہے جس میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اٹھیں گے تو حضرت موسیٰ پہلے اٹھ چکے ہونگے مگر وہ اس حدیث کے مفہوم کو ہرگز نہیں سمجھے۔ یہ حدیث بالکل قطعی اور واضح ہے کہ جب میں قیامت کے دن اٹھایا جاؤں گا تو کوئی اور ذی روح نہیں اٹھایا جائے گا۔ کسی کی روح کو دوبارہ زندگی نہیں بخشی جائے گی سوائے میرے جو میں سب سے پہلا ہونگا۔ اور تمام بنی نوع انسان میرے جھنڈے تلے جمع ہونگے اور یہ میں کسی تفاخر اور اظہار فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا۔

فرمایا: "لوگوں پر خوف کی تین گھڑیاں آئیں گی اس وقت وہ آدمؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں اپنے ربّ کے پاس ہماری شفاعت کیجئے لیکن وہ کہیں گے مَیں تو (تمہارے خیال میں) ایک گناہ کا مرتکب ہوا تھا جس کی وجہ سے مجھے زمین کی طرف بھیج دیا گیا"۔

یہاں جو (تمہارے خیال میں) کے الفاظ ہیں یہ بریکٹ میں رکھے ہوئے ہیں یعنی حدیث کے اصلی الفاظ میں یہ نہیں ہیں مگر حضرت آدم کے متعلق مشہور جو بات ہے وہ یہی ہے کہ آپ نے ایک گناہ کیا تھا اس لئے آپ کو جنت سے نکالا گیا۔ تو جنت سے مراد شریعت کی حدود ہیں جس میں سے باہر نکلتے ہوئے انسان کے لئے پھر ہر قسم کی مصیبتیں پڑتی ہیں۔ فرمایا آدم کہیں گے کہ میں نے تو تم لوگ کہتے ہو کہ ایک گناہ کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے زمین کی طرف بھیج دیا گیا۔ اب میرے پاس کیوں آئے ہو نوحؑ کے پاس جاؤ۔ "لوگ نوحؑ کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ مَیں نے (تمہارے خیال میں) ناحق اہل ارض کے خلاف ایک بددعا کی تھی جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے تھے۔ پس بہتر ہے کہ تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ ابراہیمؑ کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ مَیں نے تو (تمہارے خیال میں) تین جھوٹ بولے تھے۔ حضور علیہ السلام کے الفاظ ہیں کہ آپ نے اس موقع پر فرمایا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی جھوٹ نہیں تھا۔ یہ مفسرین نے یا بعد میں آنے والوں نے آپ کی طرف منسوب کر دیا تھا کہ جھوٹ تھے۔ اگر ان کی حقیقت پر غور کیا جائے تو ہرگز جھوٹ نہیں تھا۔ "(بلکہ) صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے سلسلہ میں چند تدابیر تھیں۔ بہر حال ابراہیمؑ لوگوں کو جواب دیں گے کہ تم موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ موسیٰؑ کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں کہ مَیں نے تو (تمہارے خیال میں) ایک شخص کو ناحق قتل کر دیا تھا"۔ اب (تمہارے خیال میں) کے الفاظ بریکٹ میں رکھے ہوئے ہیں یہ حدیث کے نہیں ہیں لیکن واقعۃً آپ نے ناحق ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ یہ تو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ "تم عیسیٰؑ کے پاس جاؤ، لوگ عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے کہ مجھے تو (تمہارے عقیدہ کے مطابق) اللہ کو چھوڑ کر معبود بنا لیا گیا تھا، تم محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ۔ آپؐ نے فرمایا: اس پر وہ میرے پاس آئیں گے۔ مَیں اُن کے ساتھ جاؤں گا۔ پوچھا جائے گا کون ہے؟۔ جواب دیا جائے گا محمدؐ۔ پس وہ میرے لئے دروازہ کھول دیں گے اور مجھے خوش آمدید کہیں گے۔ مَیں سجدہ میں گر جاؤں گا اور اس وقت اللہ تعالیٰ مجھے اعلیٰ درجے کی حمد و ثنا الہام کرے گا۔ تب مجھے کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو، تمہیں دیا جائے گا۔ شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ کہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے مقام محمود پر فائز کر دے"۔ (ترمذی کتاب التفسیر)